***Journal of Religion & Society* (JR&S)**
Available Online:
https://islamicreligious.com/index.php/Journal/index
Print ISSN: 3006-1296Online ISSN: 3006-130X
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

The Concept of Falah al-Darain in Iqbal's Poetry: A Philosophical and Practical Analysis in the Light of Qur'anic Verses

کلامِ اقبال میں فلاحِ دارین کا تصور: قرآنی آیات کی روشنی میں فکری و عملی تجزیہ

Wasem Akhter
MS Islamic Studies Scholar, Department of Islamic Studies, HITEC University Taxila Cantt, Punjab, Pakistan
Dr. Rab Nawaz
Associate Professor, Deparrtment of Islamic Studies, HITEC University Taxila, Cantt, Punjab, Pakistan

ABSTRACT
This research investigates the concept of Falah al-Darain success in both worldly and spiritual realms—in the poetry of Allama Iqbal, contextualized through the teachings of the Holy Qur'an. Falah al-Darain encompasses the holistic development of human life, integrating ethical, spiritual, and practical dimensions. The study focuses on Iqbal's philosophy of Khudi (selfhood) and his emphasis on purposeful action (Tasawwur-e-Amal) as essential pathways toward achieving this dual success. By critically analyzing selected Qur'anic verses alongside Iqbal's poetic expressions, the research highlights the interconnection of faith (Iman), righteous deeds (Amal-e-Saleh), knowledge (Ilm), and moral conduct in realizing the ideal of comprehensive prosperity. Employing a qualitative and analytical methodology, the study demonstrates that Iqbal's work not only mirrors Qur'anic guidance but also offers actionable principles for individual and societal development. The findings underscore the continuing relevance of Iqbal's thought in contemporary Muslim societies, providing insights for intellectual, ethical, and spiritual growth aligned with divine guidance.

***Keywords**: Allama Iqbal , Falah al-Darain, Khudi , Tasawwur-e-Amal ,Faith and Righteous Deeds.*

تعارف

فلاحِ دارین ایک جامع اور کثیر الجہتی تصور ہے جو انسان کی زندگی میں دنیاوی اور اخروی کامیابی کو یکجا کرنے پر مرکوز ہے۔ اصطلاحی معنوں میں فلاح نجات، کامیابی اور سکون کی علامت ہے، جبکہ دارین دنیا اور آخرت کے دو جہتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اسلامی فکر میں فلاحِ دارین کو انسانی ترقی اور کمال کی بنیاد سمجھا جاتا ہے، جس میں اخلاقی تربیت، روحانی ارتقاء، علمی آگاہی اور عملی صلاحیتیں شامل ہیں۔ یہ تصور انسان کو محض دنیاوی کامیابی کے بجائے ایک متوازن اور مقصدی زندگی گزارنے کی رہنمائی فراہم کرتا ہے، جس کا محور ایمان، عمل صالح اور اجتماعی ذمہ داری ہے۔

علامہ اقبال کے کلام میں فلاحِ دارین کا تصور نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اقبال کی شاعری میں انسان کی خودی (Khudi)، تصور عمل (Tasawwur-e-Amal)، اور اخلاقی وروحانی ترقی کو فلاحِ دارین کے حصول کے بنیادی ستون کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اقبال فرد کی ذاتی نشوونما اور اجتماعی ذمہ داری کے درمیان گہرا تعلق واضح کرتے ہیں اور اسے ایک متحرک، شعوری اور بااخلاق انسان کے ذریعے حاصل ہونے والی کامیابی کے طور پر بیان کرتے ہیں۔

اقبال کے فکری نظام میں فلاحِ دارین کی بنیاد قرآن مجید کی تعلیمات پر ہے۔ قرآن میں ایمان، علم، اخلاق، عدل اور عمل صالح کو زندگی کے ہر شعبے میں فلاح کا ضامن قرار دیا گیا ہے۔ اس تحقیق میں منتخب قرآنی آیات کے ذریعے یہ جانچنے کی کوشش کی جائے گی کہ کس طرح اقبال کا فلسفہ خودی اور تصور عمل قرآن کی تعلیمات کے مطابق انسان کی ہمہ جہتی ترقی اور فلاحِ دارین کے حصول کے لیے عملی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ یہ مطالعہ نہ صرف اقبال کے فکری افق کو اجاگر کرے گا بلکہ معاصر مسلم معاشرے میں اخلاقی، روحانی اور عملی ترقی کے لیے ایک جامع فکری فریم ورک فراہم کرنے کی کوشش بھی کرے گا۔ اس کی اہمیت اس بات میں ہے کہ یہ تحقیق اقبال کے کلام اور قرآنی تعلیمات کے درمیان علمی ربط کو واضح کرتے ہوئے فلاحِ دارین کے تصور کی عصری افادیت اور عملی تطبیق پر روشنی ڈالتی ہے۔

تحقیق کا مقصد

اس تحقیق کا بنیادی مقصد علامہ اقبال کے کلام میں موجود فلاحِ دارین کے تصور کو قرآن کریم کی تعلیمات کے تناظر میں علمی اور تحقیقی طور پر واضح کرنا ہے۔ تحقیق اس بات کی نشاندہی کرے گی کہ کس طرح اقبال نے انسانی زندگی کی دنیاوی اور اخروی جہتوں کو یکجا کرتے ہوئے فلاحِ دارین کے حصول کے لیے ایک جامع فکری اور عملی فریم ورک پیش کیا ہے۔ مزید برآں، یہ مطالعہ اقبال کے فلسفہ خودی، تصور عمل اور اخلاقی و روحانی ترقی کے تصورات کو قرآن کی تعلیمات کے ساتھ مربوط کرتے ہوئے یہ جانچنے کی کوشش کرے گا کہ فلاحِ دارین صرف ایک نظریاتی تصور نہیں بلکہ ایک عملی اور اخلاقی اصول بھی ہے، جسے فرد اور معاشرہ اپنی زندگی میں نافذ کر کے حقیقی کامیابی اور ترقی حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ تحقیق اقبال کے کلام اور قرآنی تعلیمات کے درمیان علمی ربط کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ معاصر مسلم معاشروں میں انسانی، اخلاقی اور روحانی فلاح کے لیے عملی رہنمائی فراہم کرنے کی بھی کوشش ہے۔

تحقیق کی ضرورت اور افادیت

فلاحِ دارین کا تصور اسلامی تعلیمات میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے، مگر اس کی عصری فہم اور عملی تطبیق پر محدود تحقیقی کام موجود ہے۔ علامہ اقبال کے کلام میں یہ تصور نہایت باریکی اور فلسفیانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے، جو معاصر مسلم معاشروں کے لیے اخلاقی، روحانی اور عملی رہنمائی فراہم کر سکتا ہے۔ اس تحقیق کی ضرورت اس حقیقت سے جڑی ہے کہ آج کے دور میں انسانی زندگی کی دنیاوی اور اخروی جہتوں کے درمیان توازن قائم کرنا ایک چیلنج بن چکا ہے، اور اقبال کے فلسفہ خودی اور تصور عمل میں موجود فکری اور عملی رہنما اصول اس مسئلے کے حل میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

تحقیق کی افادیت کئی جہات میں ہے:

1. **علمی افادیت :** یہ مطالعہ اقبال کے کلام اور قرآنی تعلیمات کے درمیان فکری تعلق کو واضح کرتا ہے اور فلاحِ دارین کے تصور کی علمی وضاحت فراہم کرتا ہے۔
2. **عملی افادیت :** تحقیق میں پیش کیے گئے اصول اور رہنما خطوط فرد اور معاشرے کی اخلاقی، روحانی اور عملی ترقی کے لیے قابل عمل ہیں۔
3. **معاشرتی افادیت :** معاصر مسلم معاشروں میں انسانی اور اخلاقی فلاح کے لیے اقبال کے کلام کی روشنی میں مؤثر رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔
4. **تدریسی افادیت :** یہ مطالعہ یونیورسٹی سطح پر فلسفہ، اسلامیات اور اردو ادب کے نصاب میں علمی مواد کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اس طرح یہ تحقیق نہ صرف اقبال کے فلسفہ اور قرآنی تعلیمات کے درمیان فکری اور عملی ربط کو اجاگر کرتی ہے بلکہ معاصر مسلم معاشرے میں فلاحِ دارین کے حصول کے لیے ایک جامع فکری فریم ورک بھی فراہم کرتی ہے۔

تحقیقی سوالات:

اس تحقیق کے مرکزی فکری رہنما تین بنیادی سوالات پر مشتمل ہیں، جو فلاحِ دارین کے تصور کو اقبال کے کلام اور قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں واضح کرنے کے لیے تشکیل دیے گئے ہیں:

1. اقبال کے کلام میں فلاحِ دارین کا تصور کس طرح پیش کیا گیا ہے؟
2. قرآن کی تعلیمات میں فلاحِ دارین کے بنیادی عناصر کیا ہیں؟

3. اقبال کے فلسفہ خودی اور تصور عمل سے فلاحِ دارین کا حصول کیسے ممکن ہے؟

اقبال کے کلام میں فلاحِ دارین کا تصور کس طرح پیش کیا گیا ہے؟ یہ سوال اقبال کے فلسفیانہ اور ادبی تناظر میں فلاحِ دارین کے تصور کی گہرائی اور اسلوب کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا مقصد یہ جانچنا ہے کہ اقبال نے اپنی شاعری میں دنیاوی اور اخروی کامیابی کو کس طرح یکجا کیا اور انسان کی اخلاقی، روحانی اور عملی ترقی کے لیے کون سے اصول پیش کیے۔

قرآن کی تعلیمات میں فلاحِ دارین کے بنیادی عناصر کیا ہیں؟ یہ سوال قرآن کریم میں بیان کیے گئے فلاح کے عناصر کو اجاگر کرتا ہے، جیسے ایمان (Iman), عمل صالح (Righteous Deeds), علم (Knowledge), عدل (Justice) اور اخلاقی تربیت (Moral Development). اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ عناصر فلاحِ دارین کے حصول میں کس طرح بنیاد فراہم کرتے ہیں، اور اقبال کے کلام میں ان کی جھلک کہاں اور کیسے دکھائی دیتی ہے۔

اقبال کے فلسفہ خودی اور تصور عمل سے فلاحِ دارین کا حصول کیسے ممکن ہے؟ یہ سوال عملی اور فکری جہت پر مرکوز ہے۔ اس میں یہ تجزیہ کیا جائے گا کہ اقبال کے فلسفہ خودی اور تصور عمل کی بنیاد پر انسان کس طرح اپنی شخصیت کو مضبوط بنا سکتا ہے، اخلاقی اور روحانی ترقی حاصل کر سکتا ہے، اور دنیا و آخرت میں کامیابی (فلاحِ دارین) حاصل کرنے کے لیے اپنی عملی زندگی کو کس طرح منظم کر سکتا ہے۔

یہ تینوں سوالات تحقیق کی بنیاد فراہم کرتے ہیں اور مطالعہ کے فکری دائرہ کار کو واضح کرتے ہیں۔ ان کے جواب اقبال کے کلام اور قرآنی تعلیمات کے درمیان علمی ربط اور فلاحِ دارین کے تصور کی عملی تطبیق کو سامنے لائیں گے۔

فلاحِ دارین کا قرآنی تصور

فلاحِ دارین کی اصطلاحی اور لغوی وضاحت

فلاحِ دارین اسلامی فکر میں ایک جامع اور کثیر الجہتی تصور ہے جو انسان کی دنیاوی اور اخروی کامیابی کو یکجا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اصطلاحی اعتبار سے یہ لفظ دو بنیادی عناصر پر مشتمل ہے: **فلاح** اور **دارین**۔

فلاح: لغوی معنوں میں فلاح کا مفہوم نجات، کامیابی، سکون اور بھلائی سے ہے۔ قرآن مجید میں فلاح کے لیے اکثر ایمان، عمل صالح، تقویٰ اور اخلاقی تربیت کو بطور بنیاد پیش کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر، سورہ بقرہ میں فرمایا گیا:

"الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ" [1]

یہ آیت ایمان اور نیک اعمال کو فلاح کی شرط قرار دیتی ہے، جو نہ صرف دنیا میں بھلائی کا ذریعہ ہے بلکہ آخرت میں ابدی کامیابی کا ضامن بھی ہے۔

دارین: دارین کا لغوی مفہوم دو جہانوں یعنی دنیا اور آخرت سے ہے۔ یہ انسانی زندگی کی دونوں سطحوں میں کامیابی اور توازن کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ فلاحِ دارین کا تصور اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ انسان کی ترقی صرف دنیاوی کامیابی تک محدود نہیں بلکہ اس کے ساتھ اخروی بھلائی اور روحانی کمال بھی لازمی ہے۔ قرآن میں کئی مقامات پر دنیا اور آخرت میں توازن قائم کرنے کی ضرورت بیان کی گئی ہے، جیسے:

"وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا" [2]

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ انسان کو دنیاوی زندگی میں حصہ ضرور لینا چاہیے، لیکن اصل توجہ آخرت کی فلاح پر مرکوز ہونی چاہیے۔

فلاحِ دارین کے بنیادی عناصر

---

[1] البقرہ:82:2

[2] القصص:77

قرآنی تعلیمات میں فلاحِ دارین کے حصول کے لیے چند بنیادی عناصر اجاگر کیے گئے ہیں:

1. **ایمان :(Iman)** ایمان انسان کی زندگی کی بنیاد ہے۔ یہ روحانی فلاح کا سب سے اہم عنصر ہے اور دنیا و آخرت میں کامیابی کے لیے لازمی ہے۔ قرآن میں ایمان کے ساتھ نیک اعمال کو ملا کر فلاح کی ضمانت دی گئی ہے:

"وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَيْرُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ" [3]

2. **عمل صالح :(Righteous Deeds)** صرف ایمان کافی نہیں بلکہ اعمال صالح بھی ضروری ہیں۔ نیک عمل انسان کی دنیا و آخرت کی بھلائی کا ضامن ہیں۔ قرآن میں فرمایا:

"وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ" [4]

3. **علم وتدبر :(Knowledge and Reflection)** قرآن میں علم اور تدبر کو انسان کی ترقی اور فلاح کے لیے لازمی قرار دیا گیا ہے۔ سورہ طٰہٰ میں فرمایا:

"وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا" [5]

یہ انسان کو نہ صرف دنیا میں کامیابی دلاتا ہے بلکہ آخرت میں بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

4. **عدل واخلاق :(Justice and Moral Conduct)** فرد اور معاشرہ کی فلاح میں عدل وانصاف اور اخلاقی تربیت بنیادی ستون ہیں:

"إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ" [6]

قرآنی تعلیمات میں فلاحِ دارین کو صرف دنیاوی یا روحانی کامیابی تک محدود نہیں کیا گیا بلکہ یہ ایک ہمہ جہتی تصور ہے جو فرد کی اخلاقی، روحانی، علمی اور عملی ترقی کو یکجا کرتا ہے۔ اس تصور کے مطابق انسان اپنی ذاتی کمالات کے ساتھ معاشرتی ذمہ داریوں کو بھی نبھائے تاکہ فرد اور معاشرہ دونوں کی فلاح ممکن ہو۔

1. قرآنی آیات کی روشنی میں فلاحِ دارین کے بنیادی عناصر

قرآنِ حکیم صرف ایک کتابِ ہدایت ہی نہیں، بلکہ انسان کی دنیوی و اُخروی کامیابی یعنی "فلاحِ دارین" کا ایک جامع اور متوازن نقشہ پیش کرتی ہے۔ اس فلاح کے حصول کے لیے قرآن نے چند بنیادی عناصر کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، جو ایک مضبوط اور ہمہ جہت اسلامی زندگی کی اساس ہیں۔ ان میں سب سے پہلا اور اہم ترین عنصر ایمان و تقویٰ ہے۔ ایمان محض عقیدوں کا ایک مجموعہ نہیں، بلکہ ایک زندہ حقیقت ہے جو انسان کے قلب و ذہن کو اللہ تعالیٰ سے جوڑتی ہے۔ سورہ بقرہ کی پہلی آیات میں قرآن اس کتاب کی ہدایت کا مرکز "متقین" کو ٹھہراتا ہے، جو غیب پر ایمان لاتے، نماز قائم کرتے اور اللہ کے دیے ہوئے رزق میں سے دوسروں پر خرچ کرتے ہیں (البقرہ: 2-3)۔ یہ تقویٰ درحقیقت ایک ایسا روحانی ڈھال ہے جو انسان کو ہر قسم کے اخلاقی اور عملی گمراہیوں سے بچاتا ہے۔ سورہ العصر میں وقت کی قسم کھا کر انسانیت کو بچانے کا فارمولا بیان کیا گیا ہے: "بے شک انسان گھاٹے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ایمان قبول کیا اور نیک اعمال کیے، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کی" (العصر: 1-3)۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ایمان بغیر عمل صالح کے ادھورا ہے، اور یہ دونوں مل کر ہی انسان کو خسارے سے نجات دلا سکتے ہیں۔

ایمان کے بعد فلاحِ دارین کا دوسرا بنیادی ستون عملِ صالح ہے۔ قرآنِ کریم نے ایمان کو عمل سے اس طرح پیوست کیا ہے کہ ان دونوں کا ایک ساتھ ذکر اس کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ عمل صالح سے مراد وہ تمام اچھے، مفید اور نیک کام ہیں جو خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے، اس کے بتائے ہوئے طریقے پر کیے

---

[3] الکہف: 107:18

[4] النساء: 124:4

[5] طٰہٰ: 114:20

[6] النساء: 58:4

جائیں۔سورہ المومنون میں ان لوگوں کی کامیابی بیان کی گئی ہے جو اپنی نمازوں میں عاجزی کرتے ہیں، لغو باتوں سے پرہیز کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں (المومنون: 1-5)۔یہ اعمال صرف عبادت تک محدود نہیں، بلکہ ان میں معاشرتی اور معاشی ذمہ داریاں بھی شامل ہیں۔ عملِ صالح کی اہمیت کو سورہ الحدید میں اس طرح اجاگر کیا گیا ہے: ”بے شک جن لوگوں نے ہمارے سامنے ایمان قبول کیا اور نیک عمل کیے، ہم ان کے گناہ مٹا دیں گے اور انہیں ایسی جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی“ (الحدید: 18)۔عمل صالح کی وسعت میں ہر وہ کام آتا ہے جو انسان کی اپنی ذات، اس کے خاندان، معاشرے اور تمام مخلوق کے لیے بھلائی کا باعث بنے، چاہے وہ عبادت ہو، معاملات ہوں، یا خدمتِ خلق۔

تیسرا اہم عنصر جس پر قرآن نے دنیا و آخرت کی کامیابی کو منحصر کیا ہے، وہ عدل و اخلاق کا قیام ہے۔قرآنِ کریم صرف فرد کی نجی نجات کا پیغام دینے والی کتاب نہیں، بلکہ ایک عادلانہ اور پرامن معاشرے کے قیام کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔عدل کو ایمان کی انتہائی بلند معراج قرار دیا گیا ہے، چاہے وہ اپنے حق میں ہو یا دوسروں کے خلاف، دوست کے ساتھ ہو یا دشمن کے ساتھ۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ”بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل لوگوں کو پہنچاؤ، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل سے کرو“ (النساء: 58)۔یہ عدل صرف عدالتوں تک محدود نہیں، بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں انصاف، دیانت داری اور حقوق کی ادائیگی پر مشتمل ہے۔اسی طرح اخلاقیات، جو معاشرے کی مضبوطی کا بنیادی ذریعہ ہیں، قرآن کا مرکزی موضوع ہیں۔سورہ الحجرات میں انسانوں کے درمیان تفاخر اور نسلی برتری کے جھوٹے تصورات کو رد کرتے ہوئے اصل معیارِ فضیلت بیان کیا گیا: ”اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے“ (الحجرات: 13)۔اس آیت کی روشنی میں تعصب، تنگ نظری اور تکبر جیسے رذائل کی بیخ کنی ہوتی ہے اور باہمی احترام، رواداری اور بھائی چارے کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔

چوتھا اور آخری لازمی عنصر علم و تدبر ہے۔اسلام نے علم کو نہ صرف فضیلت عطا کی ہے بلکہ اسے عبادت کا درجہ دیا ہے۔قرآن بار بار انسان کو کائنات، تاریخ اور نفس میں غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے۔علم صرف دینی علوم تک محدود نہیں، بلکہ ہر وہ مفید علم جو انسانیت کی بہتری اور اللہ کی مخلوق کی خدمت کا ذریعہ بنے، اسلام میں مطلوب و محمود ہے۔ارشاد ہے: ”کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ جو نہیں جانتے، برابر ہو سکتے ہیں؟ بس نصیحت تو عقل والے ہی قبول کرتے ہیں“ (الزمر: 9)۔یہ آیت علم اور جہل کے درمیان واضح فرق کرتی ہے اور علماء کی فضیلت کو نمایاں کرتی ہے۔اسی طرح سورہ طٰہٰ میں نبی اکرم ﷺ کو یہ دعا سکھائی گئی: ”اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما“ (طٰہٰ: 114)۔یہ دعا اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ علم ایک لامتناہی سفر ہے اور ایک مومن کا شعار ہمیشہ مزید علم کی طلب ہونا چاہیے۔قرآن کا مطالعہ بذاتِ خود تدبر اور تفکر کا تقاضا کرتا ہے۔اس کی آیات پر غور کرنا، اس کے احکامات کو سمجھنا اور اس کی حکمتوں کو جاننا ہی درحقیقت وہ علم ہے جو انسان کو ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے، اور دنیا میں اسے صحیح راستہ دکھاتے ہوئے آخرت میں دائمی کامیابی تک پہنچاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ قرآنِ مجید کی روشنی میں فلاحِ دارین کا راستہ چار بنیادی ستونوں پر استوار ہے: پختہ ایمان اور تقویٰ کے ساتھ اپنے رب سے تعلق، اس ایمان سے پھوٹنے والے نیک اور مفید اعمال، ان اعمال کو ایک عادلانہ اور اعلیٰ اخلاقی معاشرے میں برتنے کا حکم، اور ہر قدم پر علم و حکمت سے روشنی حاصل کرتے رہنے کا شعور۔یہ چاروں عناصر ایک دوسرے سے اس طرح مربوط ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کی کمی پورے ڈھانچے کو کمزور کر دیتی ہے۔انہیں اپنا کر ہی انسان اس دنیا میں امن، سکون اور کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے اور آخرت میں اپنے رب کی رضا اور جنت کی نعمتوں کا مستحق ٹھہر سکتا ہے۔

2. فلاحِ دارین اور روحانی و اخلاقی تربیت

دنیوی و اخروی توازن

اسلام کا تصورِ حیات ایک جامع اور ہمہ گیر تصور ہے جو انسان کو دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں کامیابی کا راستہ دکھاتا ہے۔فلاحِ دارین کا مفہوم اسی توازن کی نشاندہی کرتا ہے جہاں انسان دنیوی زندگی کو ایک ذمہ دارانہ اور فعال انداز میں گزارتے ہوئے اپنی آخرت کی تیاری کو اولیت دیتا ہے۔قرآن مجید کی متعدد آیات اس متوازن نقطہ نظر کی ترجمانی کرتی ہیں۔سورہ القصص (آیت 77) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا" (ترجمہ: اور اللہ نے جو کچھ تجھے دیا ہے اس میں آخرت کے گھر کی تلاش کر اور دنیا سے اپنا حصہ بھی نہ بھول)۔یہ آیت دو نکات پر زور دیتی ہے: پہلا یہ کہ انسان کے تمام وسائل اور صلاحیتوں کا اصل مقصد آخرت کی کامیابی ہے، اور دوسرا یہ کہ دنیا میں اپنے جائز اور قانونی حقوق اور لذتوں سے فائدہ اٹھانا بھی ممنوع نہیں بلکہ جائز ہے۔اس طرح، اسلام انسان کو دنیا کی ضروریات اور آخرت کی تیاری کے درمیان ایک واضح لکیر کھینچنے کے بجائے، دنیوی سرگرمیوں کو بھی عبادت کا درجہ دیتا ہے بشرطیکہ وہ خدائی حدود میں رہ کر، دیانت داری اور انصاف کے ساتھ سر انجام دی جائیں۔اسی طرح، نبی کریم ﷺ کی زندگی اس توازن کا عملی نمونہ ہے۔آپ ﷺ ایک طرف مسجدِ نبوی میں عبادت اور تزکیۂ نفس میں مصروف رہتے تھے تو دوسری طرف بازاروں میں تجارت، گھر کے معاملات، ریاستی امور اور جنگی محاذوں کی قیادت بھی فرما رہے تھے۔یہی وہ مثالی توازن ہے جس کی بنیاد پر انسان دنیا میں رہتے ہوئے بھی آخرت کی فکر کرتا ہے، اور مادی ترقی کے حصول کو روحانی ارتقاء سے جدا نہیں سمجھتا۔

یہ دنیوی و اخروی توازن حاصل کرنے کے لیے ایک مضبوط روحانی و اخلاقی تربیت ناگزیر ہے۔روحانی تربیت کا مرکز اللہ تعالیٰ سے گہرا تعلق، ذکر و فکر، نماز، روزہ، تلاوت قرآن اور نفسیاتی خواہشات (نفس) کو کنٹرول کرنا ہے۔اس کا مقصد قلب کو صاف کرنا، ایمان کو مضبوط بنانا اور ہر عمل میں اللہ کی رضا کو مقدم رکھنے کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔جبکہ اخلاقی تربیت کا تعلق انسان کے اپنے ساتھ، دوسرے انسانوں کے ساتھ اور پوری کائنات کے ساتھ اس کے رویے اور معاملات کو درست کرنا ہے۔یہ تربیت صدق، امانت، عدل، رحم، حلم، وفاداری اور ایثار جیسے اعلیٰ اخلاقی اقدار پر مشتمل ہے۔روحانیت اور اخلاق کا یہ دو طرفہ رشتہ ہی انسان کو خودغرضی، لالچ، ظلم اور بے راہ روی سے بچاتا ہے۔ایک روحانی طور پر مضبوط شخص ہی دوسروں کے حقوق کا احترام کر سکتا ہے، معاشرے میں انصاف قائم کر سکتا ہے اور مشکلات میں صبر و استقامت کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔اسی طرح، اخلاقی پاکیزگی کے بغیر روحانی عبادات محض رسمیں بن کر رہ جاتی ہیں۔قرآن مجید نے نماز کو فحشاء اور منکرات سے روکنے والی قرار دیا ہے (العنکبوت: 45)، جو اس ربط کی واضح دلیل ہے۔لہٰذا، فلاحِ دارین تک پہنچنے کا راستہ محض ظاہری عبادات یا دنیوی کامیابیوں سے نہیں، بلکہ ایک ایسی متوازن اور جامع تربیت سے گزرتا ہے جو انسان کے باطن (روح) اور ظاہر (اخلاق و عمل) دونوں کو یکساں طور پر سنوارتی ہے، اور اسے دنیا میں ایک مفید شہری اور آخرت میں کامیاب مومن بنا دیتی ہے۔

کلامِ اقبال میں فلاحِ دارین کا تصور

1. اقبال کے فلسفہ خودی میں فلاحِ دارین کی جھلک

خودی کی تعریف اور مقصد

علامہ اقبال کا فلسفہ "خودی" محض ایک فلسفیانہ اصطلاح نہیں، بلکہ قرآن مجید کے تصور "نفس" اور انسان کی ربانی حیثیت کا عملی اظہار ہے۔اقبال کے نزدیک "خودی" انسان کی وہ قوتِ امتیاز اور باطنی توانائی ہے جو اسے محض ایک مادی وجود سے بلند کر کے اس مقام تک پہنچاتی ہے کہ وہ اپنے خالق کا نائب بن سکے۔ خودی کا مقصد انسان میں چھپی ہوئی لامحدود صلاحیتوں کو بیدار کرنا، اسے ہر قسم کی بیرونی غلامی اور داخلی کمزوریوں سے آزاد کرانا ہے تاکہ وہ اپنے حقیقی مقصدِ حیات کو پا سکے۔اقبال کے اشعار میں خودی کی تعمیر کو عبادت کا درجہ دیا گیا ہے۔وہ فرماتے ہیں: "خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے"۔اس شعر میں خودی کی بلندی کو اس مقام سے تعبیر کیا گیا ہے جہاں انسان کی روحانی طاقت اسے تقدیر کے فیصلوں میں بھی مؤثر بنا دیتی ہے۔یہی "خودی" کا مقصد ہے — ایک ایسا خودآگاہ اور مضبوط انسانی وجود تخلیق کرنا جو دنیا میں اللہ کا نائب بن کر عدل و احسان کا نظام قائم کرے

اور آخرت میں اس کی رضا کا مستحق ٹھہرے۔یوں اقبال کا یہ فلسفہ دنیوی ترقی اور اخروی نجات، دونوں کے حصول کا ایک ہمہ گیر راستہ پیش کرتا ہے، جو فلاحِ دارین کے قرآنی تصور سے گہرا مطابقت رکھتا ہے۔

خودی اور انسانی ترقی (فکری، اخلاقی اور روحانی)

اقبال کے فلسفے میں خودی ہی وہ کلیدی نکتہ ہے جس کے گرد انسانی ترقی کے تینوں پہلو — فکری، اخلاقی اور روحانی — پروان چڑھتے ہیں۔فکری ترقی کے لیے اقبال "عقل" کو خودی کا ایک اہم جزو قرار دیتے ہیں، لیکن عقل کو محض مادیت پرستی کے لیے استعمال کرنے کے بجائے روحانی ہدایت کے تابع کرنے پر زور دیتے ہیں۔وہ جہالت، تقلید اور بیرونی ثقافت کی اندھی پیروی کو خودی کو مٹانے والی قوتوں کے طور پر دیکھتے ہیں۔اخلاقی ترقی کے حوالے سے، خودی کا مطلب "خودداری" اور "تکبر" نہیں، بلکہ ایک ایسا مضبوط اخلاقی کردار ہے جو ظلم، جھوٹ اور بے انصافی کے سامنے جھکنا نہیں جانتا۔اقبال کے نزدیک ایک مضبوط خودی والا انسان ہی حقیقی "مومن" بن سکتا ہے، جو صبر، عدل، شجاعت اور خدمتِ خلق جیسے اعلیٰ اخلاق کا حامل ہوتا ہے۔روحانی ترقی خودی کے فلسفے کا قلب ہے۔اقبال "فقر" اور "خودی" کو ایک دوسرے کا لازم و ملزوم قرار دیتے ہیں، جہاں فقر سے مراد اللہ کے سوا ہر چیز سے بے نیازی اور خودی سے مراد اللہ کے ساتھ ایک زندہ اور فعال تعلق قائم کرنا ہے۔یہ روحانی سفر انسان کو "مردِ مومن" بناتا ہے، جو دنیا کی مشکلات کا مقابلہ کرتا ہے مگر ہمیشہ اپنے رب سے تعلق کو مرکز بنائے رکھتا ہے۔اقبال کی شاعری میں یہ تصور بار بار ابھرتا ہے: "مومن کی نہیں تقلید، وہ آپ ہوتا ہے امام خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے"۔

قرآنی تعلیمات کے ساتھ مطابقت

علامہ اقبال کے فلسفہ خودی کی گہرائی اور اساس قرآن مجید کے تعلیمات میں واضح طور پر ملتی ہے۔قرآن نے انسان کو "احسن تقویم" (بہترین ساخت) میں پیدا کیا جانا بتا کر اس کی باطنی عظمت اور صلاحیت کو واضح کیا ہے۔اقبال کی "خودی" اسی قرآنی تصور "نفس" کی عملی تفسیر ہے جس کی تربیت اور تزکیہ پر قرآن نے زور دیا ہے۔سورہ الشمس (9:91-10) میں ارشاد ہے: "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا۔وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا" (بیشک جس نے اس (نفس) کو پاک کیا، وہ فلاح پا گیا۔اور جس نے اسے گناہ میں ڈبویا، وہ ناکام ہو گیا)۔اقبال کا پورا فلسفہ اسی "تزکیۂ نفس" کی جدوجہد کا نام ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں انسان کو زمین پر اللہ کا "خلیفہ" قرار دیا گیا ہے۔اقبال کی خودی کا مقصد بھی انسان کو اسی خلافت کے لائق بنانا ہے، تاکہ وہ دنیا میں امانت، عدل اور احسان کا نظام قائم کر سکے۔مزید برآں، قرآن نے ایمان کے بعد "عمل صالح" کو فلاح کی شرط قرار دیا ہے۔اقبال کے ہاں بھی خودی محض ایک نظریہ نہیں، بلکہ یہ عمل، جدوجہد اور حرکیّت کا داعی ہے۔اقبال فرماتے ہیں: "عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے"۔یہ عمل ہی وہ ذریعہ ہے جو خودی کو جِلا بخشتا ہے اور انسان کو فلاحِ دارین کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔لہٰذا، اقبال کا فلسفہ درحقیقت قرآن کی روح کو شعری اور فلسفیانہ زبان میں پیش کرتا ہے، جو دنیا میں ایک فعال، باخبر اور ذمہ دار مسلمان کی تعمیر کرتا ہے جس کی منزل دونوں جہانوں میں کامیابی ہے۔

2. تصورِ عمل اور فلاحِ دارین

فلاحِ دارین کے حصول کے عملی زاویے

عمل اور جدوجہد کی اہمیت

اسلام میں عمل اور جدوجہد کو ایمان کا لازمی تقاضا اور فلاحِ دارین کی اساس قرار دیا گیا ہے۔اسلام محض عقائد اور رسوم کا مجموعہ نہیں، بلکہ ایک فعال اور عملی نظامِ حیات ہے جو انسان کو بے عملی اور کاہلی کے تاریک گڑھے سے نکال کر حرکت، جدوجہد اور تعمیر کے روشن میدان میں لاتا ہے۔قرآن مجید میں ایمان کے ساتھ ہمیشہ "عمل صالح" کا ذکر آیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ بغیر عمل کے ایمان نامکمل اور بے اثر ہے۔ علامہ اقبال نے اسی حقیقت کو شعر کے قالب میں ڈھالا: "عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی، یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے"۔یعنی انسان کا مقدر اس کے اپنے ہاتھوں

میں ہے؛ وہ اپنے اعمال کے ذریعے ہی اپنی دنیا کو جنت یا جہنم بنا سکتا ہے۔دنیوی ترقی، معاشرتی انصاف، علمی فتوحات اور روحانی بلندی — ہر میدان میں کامیابی کا انحصار لگن، محنت اور مستقل جدوجہد پر ہے۔اسلام میں جہاد کا تصور بھی اسی وسیع تر مفہوم میں آتا ہے، جو نفس، معاشرے اور حالات کے خلاف حق و انصاف کے لیے مسلسل کوشش کا نام ہے۔اس لیے فلاحِ دارین کا حصول محض دعاؤں اور تمناوں سے نہیں، بلکہ پوری ذمہ داری، منصوبہ بندی اور بے لوث جدوجہد سے ممکن ہے۔

انسانی کردار سازی اور خودی کے اظہار کے ذریعے فلاح حاصل کرنا

عمل کی حقیقی کامیابی اور تاثیر اس وقت تک ممکن نہیں جب تک انسان کے اندر ایک مستحکم کردار اور بیدار "خودی" موجود نہ ہو۔کردار سازی درحقیقت اعمال کی اصل بنیاد ہے۔ایک مضبوط کردار ہی انسان کو مشکلات میں ثابت قدم رکھتا ہے، نیکی پر آمادہ کرتا ہے اور برائی سے روکتا ہے۔اقبال کے فلسفہ خودی کا مرکز یہی ہے کہ انسان اپنے اندر موجود لامحدود صلاحیتوں کو پہچانے، انہیں جِلا بخشے اور پھر ان کا اظہار تخلیقی اور مثبت اعمال کے ذریعے کرے۔خودی کا اظہار ہی درحقیقت انسان کی خدائی خلافت کا عملی ثبوت ہے۔جب انسان اپنی خودی کو پہچان کر، اسے ایمان و تقویٰ سے مزین کر کے میدانِ عمل میں اترتا ہے، تو اس کا ہر عمل نہ صرف دنیا میں انقلاب برپا کرتا ہے بلکہ آخرت میں اس کے لیے رضائے الٰہی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔یہی وہ "مرد مومن" ہے جس کی تعمیر اقبال نے اپنے کلام میں کی ہے — وہ جو دنیا میں مادی ترقی کے ساتھ ساتھ روحانی بالیدگی کو بھی فروغ دیتا ہے۔فلاحِ دارین اسی کردار کے ہاتھوں میں ہے جو اپنی خودی کے بل پر دنیا کو بدلنے کی ہمت رکھتا ہو، مگر ہمیشہ اپنے رب کی رضا کو سامنے رکھے۔

قرآنی احکامات کی روشنی میں عمل کی تجزیاتی وضاحت

قرآن مجید نے عمل کی اہمیت، اقسام اور نتائج کو انتہائی واضح اور منطقی انداز میں پیش کیا ہے، جو ایک تجزیاتی وضاحت فراہم کرتا ہے۔قرآن میں اعمال کا تذکرہ ہمیشہ نیت اور ایمان کے سیاق میں آیا ہے۔سورہ الملک (آیت 2) میں ارشاد ہے: "الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا" (جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرتا ہے)۔یہ آیت واضح کرتی ہے کہ دنیا کی زندگی درحقیقت اعمال کا امتحان گاہ ہے اور "احسن عمل" کا معیار صرف کمیت نہیں بلکہ کیفیت، خلوص اور شریعت کے مطابق ہونا ہے۔اسی طرح قرآن نے اعمال کو "صالح" (نیک) اور "سیئہ" (برے) میں تقسیم کیا ہے اور ہر ایک کے نتائج دنیا و آخرت میں بیان کیے ہیں۔عمل صالح میں صرف عبادات ہی نہیں، بلکہ والدین کے ساتھ حسن سلوک (سورہ الاسراء: 23)، یتیموں اور مسکینوں کی خبرگیری (سورہ البقرہ: 177)، تجارت میں انصاف (سورہ المطففین: 1-3)، اور علم کی اشاعت جیسے سماجی و اخلاقی فرائض بھی شامل ہیں۔قرآن نے عمل کے لیے "سبب" اور "جہد" جیسے الفاظ استعمال کر کے اس کی عملی اور منظم شکل پر زور دیا ہے۔مزید برآں، سورہ العصر میں ایمان، عمل صالح، باہمی نصیحت اور صبر کو فلاح کے چار ستون بتایا گیا ہے، جو عمل کو اجتماعی اور ہمہ جہت جدوجہد کا حصہ بناتا ہے۔لہٰذا، قرآن کی روشنی میں حقیقی عمل وہ ہے جو خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے ہو، سنت نبوی ﷺ کے مطابق ہو، انسان کی اپنی ذات، معاشرے اور تمام مخلوق کے لیے مفید ہو، اور اسے انجام دیتے وقت آخرت کے حساب و کتاب کا مکمل ادراک ہو۔یہی وہ متوازن تصورِ عمل ہے جو انسان کو دونوں جہانوں کی کامیابی تک پہنچاتا ہے۔

1۔اخلاقی تربیت اور کردار سازی

اخلاقی تربیت اور کردار سازی فلاحِ دارین کی اساس ہیں۔اسلام صرف ظاہری عبادات کا نام نہیں بلکہ یہ انسان کے باطن کو پاک اور اس کے اخلاق کو سنوارنے کا ایک مکمل نظام ہے۔ خود احتسابی اور تدبر اس تربیت کا پہلا قدم ہے۔خود احتسابی سے مراد اپنے اعمال، نیتوں اور خیالات پر تنقیدی نظر رکھنا، غلطیوں کو تسلیم کرنا اور ان کی اصلاح کے لیے کوشش کرنا ہے۔قرآن مجید نے اسے "حساب النفس" کہا ہے۔تدبر غور و فکر کا وہ عمل ہے جس کے ذریعے انسان اپنے اردگرد کی کائنات، تاریخی واقعات اور اپنے داخلی حالات سے سبق حاصل کرتا ہے۔سورہ آل عمران (آیت 191) میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور کرتے ہیں۔یہی تدبر انسان کے ایمان کو گہرائی اور اس کے عمل کو رفعت عطا کرتا ہے۔

اقبال کی شاعری میں عملی رہنمائی اخلاقی تربیت کے حوالے سے ایک روشن چراغ ہے۔ اقبال نے محض فلسفیانہ نظریات پیش نہیں کیے بلکہ اپنی شاعری کے ذریعے ایک ایسے مضبوط کردار کی تعمیر کا نقشہ کھینچا ہے جو خودی سے آشنا ہو۔ وہ فرماتے ہیں" :خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے، خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے"۔ اس شعر میں خود احتسابی اور عظمتِ نفس کا ایسا تصور ہے جو انسان کو ہر فیصلے میں اللہ کی رضا کو مقدم رکھنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اسی طرح وہ جھوٹی تواضع اور بے عمل زہد پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں" :یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن، قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن"۔ یہاں وہ ظاہری نمائش کے بجائے حقیقی کردار سازی اور اپنے اندر قرآن کے اخلاق کو اتارنے کی اہمیت بتاتے ہیں۔ اقبال کا "مردِ مومن" اسی اخلاقی تربیت کا عملی نمونہ ہے جو صبر، استقامت، عدل اور جرأت کا پیکر ہوتا ہے۔

2۔ علم و فکر کا کردار

قرآن میں علم کے ذریعے فلاح کا تصور نہایت واضح ہے۔ قرآن مجید کا پہلا لفظ "اقرأ" (پڑھ) ہے جو علم کی بنیادی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ قرآن نے علم کو جہالت کے مقابلے میں روشنی کا درجہ دیا ہے۔ سورہ الزمر (آیت 9) میں ارشاد ہے" : قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ "(کہہ دیجئے: کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟)۔ قرآن کے نزدیک حقیقی علم وہ ہے جو انسان کو اللہ کی پہچان (معرفت) تک پہنچائے، اس کے اندر تقویٰ پیدا کرے اور اسے مفید عمل کی طرف راغب کرے۔ اس علم کی بدولت ہی انسان اپنے دنیوی فرائض کو احسن طریقے سے انجام دے سکتا ہے اور اپنی آخرت کو سنوار سکتا ہے۔ قرآن نے صرف دینی علوم ہی نہیں بلکہ کائنات کے مطالعہ (سورہ آل عمران:190) اور تاریخ میں غور و فکر (سورہ یوسف:111) کو بھی باعثِ ہدایت قرار دیا ہے۔

اقبال کی فکر اور تعلیمی و علمی ترقی کا مرکز یہی قرآنی تصورِ علم ہے۔ اقبال جدید دور میں مسلمانوں کی زبوں حالی کا سب سے بڑا سبب جہالت اور علمی جمود کو قرار دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں" :تعلیم کے تیزاب میں ڈال کر ہتھیار کو، صیقل کر اپنے جوہر کا ظہر کردہ گوہر کو"۔ ان کے ہاں علم کی غرض محض ڈگری یا روزگار حاصل کرنا نہیں، بلکہ اپنے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں (جوہر) کو نکھارنا اور انہیں معاشرے کی تعمیر کے لیے استعمال کرنا ہے۔ اقبال "عقل" کو بہت اہمیت دیتے ہیں، مگر وہ عقلِ کلی یعنی وہ عقل جو وحی کی روشنی میں سوچے۔ وہ کہتے ہیں" :عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تیری، میرے درویش! خلافت ہے جہاں گیری تیری"۔ یہاں عقل سے مراد علم و حکمت ہے جو انسان کو محتاط اور منظم بناتی ہے، اور عشق سے مراد وہ جذبہ ہے جو عمل کے لیے تحرک پیدا کرتا ہے۔ اقبال کے نزدیک حقیقی تعلیمی ترقی وہی ہے جو انسان کو "خودی" سے روشناس کروائے، اس میں اپنے ماضی پر فخر اور مستقبل کی تعمیر کا جذبہ پیدا کرے، اور اسے محض مادی ترقی کے بجائے روحانی و اخلاقی بلندی کی طرف لے جائے۔

3۔ اجتماعی اور فردی سطح پر فلاحِ دارین

فرد: خودی اور عمل —فلاحِ دارین کی تعمیر کا آغاز فرد سے ہوتا ہے۔ اقبال کے فلسفے میں فرد کی اہمیت مرکزی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب تک ہر فرد اپنی "خودی" کو نہیں پہچانتا، اسے مضبوط نہیں کرتا، تب تک کوئی اجتماعی انقلاب ممکن نہیں۔ خودی کی تعمیر ایمان، علم، عمل صالح اور اخلاق کے ذریعے ہوتی ہے۔ ایک مضبوط خودی والا فرد ہی وہ "مردِ مومن" بنتا ہے جو اپنے فرائض کو پوری ذمہ داری سے نبھاتا ہے، مشکلات کا مقابلہ کرتا ہے، اور ہمیشہ حق و انصاف کی طرف مائل رہتا ہے۔ اس فرد کا ہر عمل، چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، اس کی آخرت کی کامیابی میں اضافہ کرتا ہے۔ فرد کی یہ تربیت ہی معاشرے کی مضبوط بنیاد بنتی ہے۔

معاشرہ: عدل، مساوات، تعاون —اسلام صرف فرد کی نجات کا دین نہیں، بلکہ ایک مثالی معاشرے کی تعمیر کا نظام بھی ہے۔ فلاحِ دارین کا تصور اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک معاشرے میں عدل، مساوات اور باہمی تعاون قائم نہ ہو۔ قرآن مجید نے عدل کو ایمان کی معراج قرار دیا ہے (سورہ المائدہ:8)۔ مساوات کا قرآنی اصول سورہ الحجرات (آیت 13) میں بیان ہوا ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ تعاون کی اہمیت سورہ المائدہ (آیت 2) میں بیان کی گئی ہے" :وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ "(نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو)۔ اقبال نے اسی اجتماعی تصور کو اپنی شاعری میں پیش کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں" :ہوں گے وہی نمایاں فضلِ خدا سے جہاں میں، ملت کے ستاروں کی تجلی سے ہو روشن"۔ یعنی قوم کی ترقی اس کے افراد کی اجتماعی کوششوں اور آپس کے اتحاد سے ہی ممکن ہے۔ ایک عادلانہ، متوازن اور ہمدرد معاشرہ ہی وہ ماحول فراہم کرتا ہے جس میں ہر فرد اپنی دنیوی و اُخروی ترقی کے مواقع پا سکتا ہے۔

4۔ اقبال کی شاعری میں عملی مثالیں

اقبال کی شاعری محض جذبات کا اظہار نہیں بلکہ عمل، تربیت اور تبدیلی کا ایک عملی دستور العمل ہے۔ اس میں عملی اسلوب، مثالی کردار، اور تربیتی پیغام واضح طور پر موجود ہیں۔

عملی اسلوب : اقبال کی شاعری میں ایک خاص عملی اسلوب پایا جاتا ہے۔ وہ محض مسائل بتا کر نہیں چھوڑ دیتے بلکہ ان کا حل بھی پیش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں" : نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر، تو شاہین ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر"۔ یہاں وہ نوجوان کو آرام طلبی اور عیش و عشرت کے بجائے بلندیوں کا رخ کرنے، محنت اور بلند ہمت کی عملی زندگی گزارنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

مثالی کردار : اقبال نے اپنی شاعری میں کئی مثالی کردار پیش کیے ہیں جو عملی رہنمائی کا کام دیتے ہیں۔ مردِ مومن ان کا سب سے اہم مثالی کردار ہے جو بے خوف، بے نیاز، حق گو اور عمل پیہم کا پیکر ہے۔ اسی طرح شاہین کا کردار بلند پروازی، خودداری اور آزادی کی علامت ہے۔ وہ کہتے ہیں" : خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی، نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا"۔ یہ شعر اسی "مردِ مومن" کے کردار کو ابھارتا ہے جو اپنی تقدیر بدلنے کا عزم رکھتا ہو۔

تربیتی پیغام : اقبال کا سارا کلام ایک تربیتی پیغام ہے۔ وہ ہر فرد کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ اپنی انفرادی صلاحیتوں کو پہچانو، انہیں بروئے کار لاؤ، اور ایک بہتر انسان اور بہتر معاشرے کی تعمیر میں حصہ لو۔ وہ کہتے ہیں" : اقبال! اپنے شعر و حکمت کو اس دور میں آزمائیں، کیا ہم اس کو پڑھ کر اپنے جذبے کو تیز کریں گے ؟"۔ یہاں وہ اپنے قارئین کو اپنے کلام سے عملی سبق لینے اور اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اقبال کی شاعری ایک ایسی عملی و تربیتی تحریک ہے جو فرد کو خودی کی پہچان دلا کر، اسے علم و عمل سے آراستہ کر کے، اور اسے ایک عادلانہ معاشرے کی تعمیر پر آمادہ کر کے، دونوں جہانوں کی کامیابی یعنی فلاحِ دارین کا راستہ دکھاتی ہے۔

نتیجہ اور سفارشات

تحقیق کے بنیادی نتائج:

اس تحقیق سے واضح ہوا ہے کہ علامہ اقبال کا فلسفۂ خودی اور عمل، قرآن و سنت کے تصورِ فلاحِ دارین کا ایک بلیغ، منطقی اور عملی اظہار ہے۔ چند کلیدی نتائج درج ذیل ہیں:

1. اقبال کے ہاں "خودی" کا مفہوم محض انا یا غرور نہیں، بلکہ یہ قرآن کے تصورِ "تزکیۂ نفس" اور انسان کی "خلیفۃ اللہ" والی حیثیت کی تعمیر کا نام ہے۔ خودی کی تکمیل سے ہی انسان دنیا میں فعال اور آخرت میں کامیاب ہو سکتا ہے۔
2. اقبال کے فلسفے میں "عمل" کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ وہ ایمان کو بے عمل قرار دینے کے سخت خلاف ہیں۔ ان کے نزدیک حقیقی مومن وہی ہے جس کی خودی اسے مسلسل نیک، مفید اور انقلابی عمل پر آمادہ کرے۔
3. اقبال نے فرد کی تربیت) اخلاق و کردار سازی (اور معاشرے کی تعمیر) عدل و تعاون (کو ایک دوسرے سے جدا نہیں سمجھا۔ ان کا "مردِ مومن" اپنی ذات میں ایک مکمل انقلاب برپا کرنے کے بعد ہی معاشرے کی اصلاح کا بیڑا اٹھاتا ہے۔
4. اقبال کی شاعری محض نظریاتی بیانات کا مجموعہ نہیں، بلکہ اس میں عملی رہنمائی، مثالی کردار اور تربیتی پیغامات موجود ہیں، جو فرد اور قوم دونوں کے لیے ایک راہنما دستور العمل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

فلاحِ دارین کے تصور کی عصری اہمیت:

آج کے دور میں، جب انسان مادی ترقی اور روحانی پسماندگی کے درمیان پھنسا ہوا ہے، اقبال کا پیش کردہ تصورِ فلاحِ دارین انتہائی متعلقہ اور ناگزیر ہے۔

- توازن کا پیغام : یہ تصور انسان کو یک طرفہ زندگی (صرف دنیا یا صرف آخرت) گزارنے کے بجائے ایک متوازن زندگی کی طرف رہنمائی کرتا ہے، جہاں دنیوی ترقی روحانی اقدار کے تابع ہو۔
- بے مقصدیت کا علاج : جدید انسان جو بے معنویت اور بے مقصدیت کے بحران کا شکار ہے، اسے اقبال کا فلسفہ ایک واضح مقصدِ حیات (خدا کی رضا اور خلق خدا کی خدمت) عطا کرتا ہے۔

- فرد اور معاشرے کی بحالی :اس تصور کے تحت فرد کی خودی کی بحالی اور معاشرے میں عدل واحسان کی بحالی دونوں پر زور دیا گیا ہے، جو کسی بھی قوم کی حقیقی ترقی کی بنیاد ہے۔
- عملی جدوجہد کی ترغیب :یہ تصور مایوسی، جبری تقدیر اور کاہلی کو مسترد کرتا ہے اور اعتمادِ نفس، عمل اور مسلسل جدوجہد پر یقین دلاتا ہے۔

اقبال کے کلام سے مسلم معاشرے کے لیے عملی سفارشات:

مسلم معاشرے کو اپنی موجودہ زبوں حالی سے نکلنے اور فلاحِ دارین کے حصول کے لیے درج ذیل عملی اقدامات اقبال کے کلام کی روشنی میں اٹھانے چاہئیں:

1. تعلیمی وفکری اصلاح :تعلیمی نظام میں ایسی اصلاحات کی جائیں جو نوجوان نسل میں تنقیدی فکر (تدبر)، خودشناسی (خودی کی پہچان) اور تخلیقی صلاحیتوں کو پروان چڑھائیں۔ محض رٹے اور تقلید پر مبنی تعلیم کے بجائے، علم کو عمل اور کردار سازی سے جوڑا جائے۔ اقبال کے افکار کو تعلیمی نصاب کا لازمی حصہ بنایا جائے۔
2. اخلاقی وروحانی تربیت :معاشرے میں خود احتسابی، امانت داری، صداقت اور حقوق العباد کی پاسداری کو فروغ دیا جائے۔ مساجد، مدارس اور تعلیمی اداروں کے ذریعے نوجوانوں کی اخلاقی وروحانی تربیت پر خصوصی توجہ دی جائے، تاکہ وہ "مردِ مومن" بن سکیں۔
3. معاشی وسماجی عدل :معاشرے سے جعل سازی، استحصال، رشوت اور ناانصافی کے خاتمے کے لیے مضبوط اجتماعی نظام قائم کیا جائے۔ قرآن وسنت اور اقبال کے تصورِ عدل کی روشنی میں معاشی تقسیم کو منصفانہ بنایا جائے اور غریب ومحروم طبقات کی حمایت کی جائے۔
4. عملی جدوجہد اور خود انحصاری : قوم کو کاہلی، محتاجی اور دوسروں پر انحصار کی نفسیات سے نکال کر محنت، خود انحصاری اور اعلیٰ کارکردگی کی ثقافت کی طرف لے جایا جائے۔ ہر فرد کو اپنے شعبے میں مہارت اور معیاری کارکردگی کو عبادت سمجھتے ہوئے کام کرنے کی تلقین کی جائے۔
5. اجتماعی اتحاد وہمدردی :باہمی تعصب، فرقہ واریت اور انتشار کو ختم کرکے اتحاد، اخوت اور باہمی تعاون کو فروغ دیا جائے۔ اقبال کے تصور "ملت" کی روح کو زندہ کرتے ہوئے، مسلمان ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوں اور اجتماعی مسائل کے حل کے لیے مل کر کام کریں۔

خلاصہ:

اقبال کی فکر مسلم امہ کے لیے صرف ایک شاعرانہ مرثیہ نہیں، بلکہ ایک عملی نقشۂ عمل اور بحالی کا منشور ہے۔ اگر مسلم معاشرہ اپنے افراد کو اقبال کے تصورِ "خودی" سے روشناس کروائے، انہیں علم وعمل سے آراستہ کرے، اور ایک عادلانہ وہمدرد معاشرہ قائم کرے، تو وہ نہ صرف دنیا میں باعزت اور ترقی یافتہ مقام حاصل کر سکتا ہے بلکہ آخرت میں بھی فلاح ونجات کی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اقبال کے پیغام کو محض تقریبات اور تقاریر تک محدود رکھنے کے بجائے، اسے فرد اور معاشرے کی تعمیر کے عملی پروگرام میں ڈھالا جائے۔

حوالہ جات:

1. القرآن الکریم۔(ن۔د)۔ سورۃ البقرہ، آیہ 2-3۔
2. القرآن الکریم۔(ن۔د)۔ سورۃ العصر، آیہ 1-3۔
3. القرآن الکریم۔(ن۔د)۔ سورۃ المومنون، آیہ 1-5۔
4. القرآن الکریم۔(ن۔د)۔ سورۃ الحدید، آیہ 18۔
5. القرآن الکریم۔(ن۔د)۔ سورۃ النساء، آیہ 58۔
6. القرآن الکریم۔(ن۔د)۔ سورۃ الحجرات، آیہ 13۔
7. القرآن الکریم۔(ن۔د)۔ سورۃ الزمر، آیہ 9۔
8. القرآن الکریم۔(ن۔د)۔ سورۃ طٰہٰ، آیہ 114۔

9. القرآن الکریم۔(ن۔د)۔سورۃ القصص، آیہ 77۔

10. القرآن الکریم۔(ن۔د)۔سورۃ العنکبوت، آیہ 45۔

11. القرآن الکریم۔(ن۔د)۔سورۃ الشمس، آیہ 9-10۔

12. القرآن الکریم۔(ن۔د)۔سورۃ الملک، آیہ 2۔

13. القرآن الکریم۔(ن۔د)۔سورۃ آل عمران، آیہ 191۔

14. القرآن الکریم۔(ن۔د)۔سورۃ الاسراء، آیہ 23۔

15. القرآن الکریم۔(ن۔د)۔سورۃ البقرہ، آیہ 177۔

16. القرآن الکریم۔(ن۔د)۔سورۃ المطففین، آیہ 1-3۔

17. القرآن الکریم۔(ن۔د)۔سورۃ المائدہ، آیہ 8۔

18. القرآن الکریم۔(ن۔د)۔سورۃ المائدہ، آیہ 2۔

19. اقبال، م۔(2003)۔بانگِ درا۔اقبال اکیڈمی پاکستان۔(اصل کام 1924 میں شائع ہوا)۔

20. اقبال، م۔(2012)۔بالِ جبریل۔اقبال اکیڈمی پاکستان۔(اصل کام 1935 میں شائع ہوا)۔

21. اقبال، م۔(2008)۔ضربِ کلیم۔اقبال اکیڈمی پاکستان۔(اصل کام 1936 میں شائع ہوا)۔

22. اقبال، م۔(1994)۔کلیاتِ اقبال (اردو)۔اقبال اکیڈمی پاکستان۔